سلسلہ اصلاحی خطبات ۳۱

والدین کی خدمت

جنّت کا ذریعہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

فہرست مضامین

۱ ...... حقوق العباد کا بیان ۶
۲ ...... افضل عمل کونسا؟ ۶
۳ ...... نیک کاموں کی حرص ۷
۴ ...... بے غرض محبت ۱۵
۵ ...... سوال ایک، جواب مختلف ۱۰
...... ہر شخص کے لئے افضل عمل جدا ہے ۱۱
...... نماز کی افضلیت ۱۲
...... جہاد کی افضلیت ۱۳
...... والدین کا حق ۱۴
...... اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں ۱۷
...... والدین کی خدمت ۱۶
...... اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں ۱۷
...... یہ دین نہیں ہے ۱۸
...... حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ۲۰
...... صحابیت کا مقام ۲۱
...... ماں کی خدمت کرتے رہو ۲۳
...... ماں کی خدمت کا صلہ ۲۴
...... صحابہ کی جانثاری ۲۵
...... والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت ۲۷

۲۰...... جب والدین بوڑھے ہو جائیں ۲۸
۲۱...... سبق آموز واقعہ ۲۹
۲۲...... والدین کے ساتھ حسن سلوک ۳۱
۲۳...... والدین کی نافرمانی کا وبال ۳۲
۲۴...... عبرت ناک واقعہ ۳۲
۲۵...... علم کے لئے والدین کی اجازت ۳۳
۲۶...... جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ ۳۴
۲۷...... والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت ۳۵
۲۸...... ماں کے تین حق، باپ کا ایک حق ۳۶
۲۹...... ماں کی خدمت اور باپ کی تعظیم ۳۷
۳۰...... ماں کی خدمت کا نتیجہ ۳۸
۳۱...... واپس جا کر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو ۳۹
۳۲...... جا کر ماں باپ کو ہنساؤ۔ ۴۰
۳۳...... دین "حفظ حدود" کا نام ہے ۴۱
۳۴...... اہل اللہ کی صحبت ۴۱
۳۵...... شریعت، سنت، طریقت ۴۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والدین کی خدمت جنت کا ذریعہ

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له، واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلی الله تعالیٰ عليه وعلیٰ آله واصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيراً ○

اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی، وَالْجَارِ الْجُنُبِ، والصاحب بالجنب وابن السبيل، وما ملكت ايمانكم"

(النساء:۳۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین، والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

حقوق العباد کا بیان

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے بیان میں ہے، جیسا کہ مین نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ ابواب جو اس کتاب "ریاض الصالحین" میں چل رہے ہیں، ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بعض حقوق العباد کا بیان گزر چکا ہے، ان حقوق کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ سن چکے ہیں اس نئے باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آیات اور احادیث لائے ہیں سب سے پہلی حدیث یہ ہے کہ:

افضل عمل کونسا؟

"عن ابی عبد الرحمن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، قال سئلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ای العمل احب الی اللہ؟ قال: الصلاۃ علی وقتھا، قلت: ثم ای؟ قال: برالوالدین، قلت: ثم ای؟ قال: الجھاد فی سبیل اللہ"

(صحیح بخاری، باب مواقیت الصلاۃ حدیث نمبر ۵۰۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے، میں نے پھر پوچھا کہ نماز کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرے نمبر پر محبوب عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔"

اس حدیث میں ترتیب اس طرح بیان فرمائی گئی کہ سب سے افضل اور پسندیدہ عمل وقت پر نماز پڑھنے کو قرار دیا گیا، دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو۔

نیک کاموں کی حرص

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں: ایک یہ کہ اگر احادیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ اس سے صحابہ کرام کی یہ فکر اور یہ حرص ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور افضل ہو اس کو

انجام دینے کی کوشش کی جائے، اور وہ عمل ہماری زندگیوں میں آجائے، اس لئے کہ ہر وقت دل و دماغ پر آخرت کی فکر طاری تھی، وہ تو یہ چاہتے تھے کہ آخرت میں کسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو جائے، اس لئے ہر وقت یہ معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے کہ کس عمل میں کیا اجر و ثواب ہے، اور وہ ہمیں حاصل ہو جائے۔

آج ہم لوگ فضائل کی احادیث میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے۔ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے پڑھتے بھی ہیں۔ سنتے بھی ہیں۔ لیکن اس کے بعد کماحقہ عمل داعیہ پیدا نہیں ہوتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ثواب کا کام ہے بس اس کی طرف دوڑتے تھے۔

افسوس! میں نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہو، تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا، "قیراط" اس زمانے میں ایک پیمانہ تھا۔ جس کے ذریعہ سونا چاندی کا وزن کیا جاتا تھا۔ اور جو شخص نماز جنازہ کے بعد اس کے پیچھے چلے اس کو دو قیراط ملیں گے، اور جو شخص اس

کی تدفین میں بھی شامل ہو، اس کو تین قیراط اجر ملیں گے ــ ویسے تو "قیراط" ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جنت کا "قیراط" احد پہاڑ سے بھی بڑا ہے۔

جب یہ حدیث حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ نے سنائی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث پہلے نہیں سنی، جس کی وجہ سے ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیئے ــ مقصد یہ تھا کہ مجھے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کے پیچھے چلنے، اور تدفین میں شرکت کی ایسی فضیلت ہے، اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتا تو میں اس کا اہتمام کرتا، اور اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے میرے بہت سے "قیراط" ضائع ہو گئے ــ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کا مشغلہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا تھا، جن کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود جب ایک نیا عمل معلوم ہوا تو اس پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں اب تک یہ عمل اختیار نہیں کیا تھا ــ تمام صحابہ کرام کا یہی حال نظر آتا ہے کہ ہر وقت اسی فکر میں ہیں کہ ذرا سی کوئی نیکی کرنے کا موقع مل جائے جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب میں اضافہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

سوال ایک جواب مختلف

اسی لئے بار بار صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یارسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ روایات میں یہ نظر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام کو مختلف جواب دیئے۔ مثلاً اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ سب افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے، لیک حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ ایک صحابی کے اس سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، ہر حالت میں تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے لیک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہے کسی صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! سب سے افضل کونسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، غرض یہ کہ مختلف صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات عطا فرمائے، بظاہر اگرچہ ان جوابات میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیت میں تضاد نہیں۔

"ہر شخص کا افضل عمل جدا ہے"

بات دراصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے حالات کے لحاظ سے افضل عمل بدلتا رہتا ہے، کسی شخص کے لئے نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے والدین کی اطاعت سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے جہاد سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے ذکر سب سے افضل عمل ہے، حالات کے لحاظ سے اور آدمیوں کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً بعض صحابہ کرام کے بارے میں آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ نماز کی تو ویسے بھی پابندی کرتے ہیں، ان کے سامنے نماز کی زیادہ فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن والدین کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے، تو اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت ہے کسی صحابی کا عبادت کی طرف تو زیادہ دھیان تھا۔ مگر جہاد کی طرف اتنی رغبت نہیں تھی۔ ان کے حق میں فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، کسی صحابی کو آپ نے دیکھا کہ وہ عبادت بھی کر رہے ہیں، جہاد بھی کر رہے ہیں، لیکن ذکر اللہ کی طرف اتنا التفات نہیں ہے، ان کو فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل ذکر اللہ ہے۔ لہذا مختلف صحابہ کرام کو ان کے حالات کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جواب دیئے۔ لیکن یہ سب فضیلت والے اعمال ہیں، یعنی وقت پر نماز پڑھنا۔ والدین کی اطاعت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا، ہر وقت ذکر اللہ کرنا وغیرہ، البتہ لوگوں کے حالات کے لحاظ فضیلت بدلتی

رہتی ہے۔

نماز کی افضلیت

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اعمال کی ترتیب یہ بیان فرمائی کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا، صرف نماز پڑھنا نہیں، بلکہ وقت کا لحاظ کر کے نماز پڑھنا، بعض اوقات انسان وقت کا دھیان نہیں کرتا۔ اور وقت گزار دیتا ہے۔ اور یہ سوچتا ہے کہ نماز قضا ہو گئی تو ہونے دو۔ یہ انسان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں، بلکہ وقت کے اندر نماز ادا کرنے کی فکر کرے، قرآن کریم کی آیت ہے:

فویل للمصلین الذین هم عن صلوتهم ساهون

(الماعون: ۴)

یعنی ان نمازیوں پر افسوس ہے، جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں...... نماز کا وقت آیا۔ اور چلا گیا۔ نماز ادا کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ نماز قضا ہو گئی۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الذی تفوته صلاة العصر کانما وتر اهله وماله

یعنی جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی وقت گزر گیا۔ اور نماز نہیں پڑھی۔ وہ ایسا ہے جیسا اس کے سارے گھر والے لٹ گئے اور سارا مال

لٹ گیا، جس طرح وہ شخص تنگ دست اور مفلوک الحال ہے اسی طرح وہ شخص بھی مفلوک الحال ہے جس کی ایک عصر کی نماز قضا ہو گئی ہو، لہٰذا نماز کو قضاء کرنا بڑی سنگین بات ہے، اور اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لئے نماز کا بھی دھیان ہونا چاہئے، اور نماز کے وقت کا بھی دھیان ہونا چاہئے۔

جہاد کی افضلیت

اس حدیث میں دوسرے نمبر پر افضل عمل "والدین کے ساتھ حسن سلوک" کو قرار دیا، اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ، گویا کہ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد جیسی عبادت پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جہاد اتنی بڑی عبادت ہے، اور اس کے اتنے فضائل ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرے، اور اس جہاد میں شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا سے اس طرح گناہوں سے پاک صاف کر کے لے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

(صحیح بخاری باب تمنی المجاہد، حدیث نمبر ۲۶۶۲)

ایک حدیث میں ہے کہ جب ایک انسان مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقامات قرب کا مشاہدہ کرے گا، اور جنت کا مشاہدہ کرے گا تو اس کے دل میں کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش پیدا نہیں ہو گی، کہ میں

دنیا میں واپس جاؤں، اس لئے کہ دنیا کی حقیقت کھل کر اس کے سامنے آجائے گی۔ کہ یہ دنیا اس جنت کے مقابلے میں کتنی بے حقیقت، کتنی نا پائیدار اور کتنی گندی چیز تھی، جو جنت اس کو مل گئی ہے۔ لیکن وہ شخص جو جہاد کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں شہید ہو چکا ہو۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ اور وہاں جاکر دوبارہ جہاد کروں۔ اور پھر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں۔ تو جنت میں جانے کے بعد کوئی اللہ کا بندہ دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کی خواہش کرے گا، جہاد کی اتنی بڑی فضیلت ہے۔

(صحیح بخاری، باب تمنی الشہادۃ، حدیث نمبر ۲۶۴۴)

والدین کا حق

لیکن والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر بھی مقدم رکھا ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد ہیں، ان میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس سے واجب الاحترام حق دنیا میں کسی اور کا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود

کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے ان کا حق بھی سب سے زیادہ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اجر رکھا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں،

بے غرض محبت

یاد رکھئے :اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان تمام محبتوں اور تعلقات میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے، اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، سوائے والدین کی محبت کے یعنی والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے، محبت میں ان کا اپنا کوئی مفاد اور کوئی غرض شامل نہیں، اس کے علاوہ کوئی محبت بے غرض نہیں مثلاً شوہر بیوی سے محبت کرے تو اس میں غرض شامل ہے، بیوی شوہر سے محبت کرے تو اس میں غرض ہے، بھائی بھائی سے محبت کرے، یا ایک دوست دوسرے دوست سے محبت کرے، غرض یہ کہ جتنے تعلقات ہیں سب کے سب میں غرض شامل ہے، ان سب میں کوئی نہ کوئی غرض کار فرما ہوتی ہے، لیکن ایک محبت غرض سے پاک ہے، وہ ماں باپ کی محبت ہے، یعنی ماں باپ اپنی اولاد سے جو محبت کرتے ہیں اس میں ان کی ذات کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی ان کا جذبہ تو ہوتا

ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے۔ لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا، اور جہاد فی سبیل اللہ پر بھی اس کو مقدم فرمایا۔

والدین کی خدمت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور جہاد سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائیں، اور اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں۔ صرف اسی غرض کے لئے جہاد میں جانا چاہتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم واقعی ثواب حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے جوب دیا، ہاں! یا رسول اللہ، میں صرف ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والدین زندہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر ان کی خدمت کرو، اس لئے کہ اگر تمہیں اجر حاصل کرنا ہے تو پھر والدین کی خدمت کر کے تمہیں جو اجر حاصل ہو گا وہ اجر جہاد سے بھی حاصل نہیں ہو گا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"ففیھما فجاھد"

یعنی جا کر ان کی خدمت کر کے جہاد کرو، ان روایات میں والدین کی خدمت کو جہاد سے بھی زیادہ فوقیت عطا فرمائی۔

(صحیح بخاری، باب نمبر ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۴۲)

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ بس! اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں، مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں جہاد پر جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب دین کے کام ہیں۔ اور باعث اجر ثواب ہیں، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں، اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے صف اول میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں، اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت میں

تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضہ یہ ہے کہ صف اول کی نماز کو چھوڑو، اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جاکر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہو گا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے، مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا، اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہوگی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں جاکر جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہئے۔

یہ دین نہیں ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال دی، فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک ویرانے جنگل میں ایک شخص اور صرف اس کی بیوی ہے۔ اور کوئی شخص قریب میں موجود نہیں، اس حالت میں نماز کا وقت ہو گیا اور مسجد آبادی کے اندر فاصلے پر ہے، اب یہ شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ چونکہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اس لئے میں تو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز ادا کروں گا، اس کی بیوی کہتی

ہے کہ اس ویرانے جنگل کے اندر میں تنہا ہوں۔ کوئی پاس نہیں۔ اب اگر تم نماز کے لئے دور آبادی میں چلے گئے تو اس ویرانے میں خوف کی وجہ سے میری تو جان نکل جائے گی۔ لیکن شوہر کہتا ہے کہ جماعت سے صف اول میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، میں تو صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں گا۔ اور اس فضیلت کو میں حاصل کروں گا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ دین نہ ہوا، یہ تو صف اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہو گیا، اس شوق کو پورا کر رہا ہے، اس لئے کہ اس وقت دین کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جماعت کی نماز کو چھوڑو۔ اور وہیں پر تنہا نماز پڑھو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر اپنا شوق پورا کرنا ہو جائے گا۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ ہو گی۔

یا مثلاً گھر میں والدین بیمار ہیں، بیوی بچے بیمار ہیں، اور ان کو آپ کی خدمت کی ضرورت ہے، لیکن آپ کو تبلیغ میں جانے کا شوق ہو گیا۔ اور آپ نے کہا کہ میں تبلیغ میں جاتا ہوں— دیکھئے، ویسے تبلیغ میں جانا بڑا ثواب کا کام ہے، لیکن اس حالت میں جب کہ والدین یا بیوی بچوں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے اور تمہاری خدمت کے بغیر ان کا کام نہیں چلے گا۔ تو اس حالت میں یہ اپنا شوق پورا کرنا ہو گا یہ دین کا تقاضہ نہ ہو گا— اور دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کا نام دین ہے، جس وقت جس کام کا تقاضہ ہے، اس وقت اس کو انجام دو۔

آپ نے اس حدیث میں دیکھا کہ ایک صحابی آئے، اور عرض

کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن آپ نے ان کو منع فرما دیا، اور فرمایا کہ تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ جا کر والدین کی خدمت کرو۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں، اور مسلمان ہیں، اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کروں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وہ سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ شاید اس روئے زمین پر اس سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کوئی اور نہیں ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو پھر آپ کے جانے کے بعد یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا ــ لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں، اور ان کو میری خدمت کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاضر ہونے سے منع فرما دیا۔ اور یہ فرما دیا کہ تم یہاں میری زیارت اور ملاقات کے لئے مت آؤ۔ بلکہ والدہ کی خدمت کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۵۴۲)

بھلا بتلایئے! کیسا بھی صاحب ایمان ہو، اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کتنا شوق ہوگا۔ اور جب آپ اس دنیا میں بقید حیات تھے، اس وقت آپ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے شوق کا کیا عالم ہوگا جب کہ آج یہ حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی آپ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے کتنے بے تاب اور بے چین رہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حاضری ہو جائے، اور روضہ اقدس کی زیارت ہو جائے۔ لیکن آپ کی زیارت کے شوق، اس کی بے چینی اور بیتابی کو ماں کی خدمت پر قربان کر دیا، آپ نے حکم فرمادیا کہ ماں کی خدمت کرو، اور میری زیارت اور ملاقات کی سعادت کو چھوڑ دو، چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم پر اس سعادت کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں "صحابیت" کا مقام چھوٹ گیا۔ اس لئے کہ صحابیت" کا درجہ آپ کی ملاقات اور زیارت پر موقوف ہے اور "صحابی" وہ مقام ہے کہ کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے چاہے کتنے بڑے مقام پر پہنچ جائے، مگر وہ کسی "صحابی" کے گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔

"صحابیت" کا مقام

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ مشہور بزرگ فقیہ، محدث گزرے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے

ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ سوال یہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟ — سوال کرنے والے شخص نے یہ سوال اس طرح ترتیب دیا کہ صحابہ کرام میں سے ان صحابی کا انتخاب کیا جن کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی مختلف باتیں مشہور کر رکھی ہیں، اور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بر حق تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی — اس عقیدے پر تقریباً ساری امت متفق ہے — بہر حال! صحابہ کرام میں سے تو ان صحابی کو لیا جن کی شخصیت متنازع فیہ رہی ہے، اور دوسری طرف سوال میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔ جن کو عدل و انصاف اور تقویٰ طہارت وغیرہ میں "عمر ثانی" کہا جاتا ہے۔ اور یہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا — بہر حال! حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی! تم یہ پوچھ رہے ہو کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں؟ ارے! حضرت معاویہ تو در کنار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں گئی تھی، وہ مٹی بھی ہزار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے "صحابیت" کا جو مقام حضرت معاویہ رضی اللہ کو عطا فرمایا تھا، ساری

زندگی انسان کوشش کرتا رہے، تب بھی "صحابیت" کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا"۔ (البدایۃ والنھایۃ، ج ۱ ص ۱۳۹)

ماں کی خدمت کرتے رہو

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو یہ فرما دیا کہ ہماری زیارت کی ضرورت نہیں، اور "صحابیت" کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ماں کی خدمت کرو۔ اگر ہم جیسا کوئی ناواقف ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ "صحابیت" کی دولت بعد میں تو ملنے والی نہیں، اگر ماں بیمار ہے تو کیا ہوا، کسی نہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہی ہے، اس لئے اس ضرورت کے تحت گھر سے چلے جاؤ۔ اور جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس آجاؤ۔ مگر وہاں تو اپنا شوق پورا کرنا پیش نظر نہیں تھا، اپنی ذاتی خواہش پوری نہیں کرنی تھی۔ بلکہ وہاں تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تھا۔ اس لئے آپ کی زیارت کو چھوڑ دیا۔ اور گھر میں ماں کی خدمت میں لگے رہے حتی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے۔

ماں کی خدمت کا صلہ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ماں کی خدمت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

عمرفاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! کسی زمانے میں "قرن" یعنی یمن کے علاقے سے ایک آدمی مدینہ آئے گا۔ جس کے یہ اوصاف یہ حلیہ ہو گا، جب یہ آدمی تمہیں مل جائے تو اے عمر! اپنے حق میں ان سے دعا کرانا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائیں گے۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب بھی یمن سے کوئی قافلہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جا کر ان سے سوال کرتے کہ اس قافلے میں اویس قرنی نامی کوئی شخص ہیں؟ جب ایک مرتبہ قافلہ آیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس میں اویس قرنی تشریف لائے ہیں۔ تو آپ بہت خوش ہوئے، جا کر ان سے ملاقات کی اور ان کا نام دریافت کیا اور جو حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ وہ حلیہ بھی موجود تھا۔ تو پھر آپ نے ان سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ حضرت اویس قرنی نے سوال کیا کہ آپ مجھ سے دعا کرانے کیوں کر تشریف لائے؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب "قرن" سے یہ صاحب آئیں تو ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمائیں گے۔ جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ نسبت عطا فرمائی۔

دیکھئے! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی

سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے حق میں دعا کراؤ۔ یہ چیز ان کو کس طرح حاصل ہوئی یہ چیز ان کو والدہ کی خدمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت حاصل ہوئی۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے۔ اب میں اس پر عمل کروں گا چاہے کچھ ہو جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۵۴۲)

صحابہ کی جانثاری

کون صحابی ایسا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانثار اور فدا کار نہ ہو، میں نے ایک مضمون میں ایک بات لکھی تھی اور وہ بات صحیح لکھی تھی کہ ہر صحابی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دے کر کسی دوسرے کی زندگی میں اضافہ کرنے کے قابل ہوتا تو تمام صحابہ کرام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک سانس کے اوپر اپنی ساری جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے، وہ صحابہ اتنے فدا کار تھے ان کا تو یہ حال تھا کہ وہ کسی وقت یہ نہیں چاہتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ انور نگاہوں سے روپوش ہو، یہاں تک جنگ کے میدان میں بھی یہ بات گوارہ نہیں تھی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، جن کو جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تلوار عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ جب دشمنوں کی طرف مقابلے کے لئے نکلے تو اس وقت دشمنوں کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی

بوچھاڑ آرہی تھی۔ اس وقت حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تیروں کی طرف پشت کر کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ کر کے کھڑے ہوگئے۔ اور سارے تیر اپنی پشت پر روکنے لگے۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے سارے تیر اپنی پشت پر لینے لگے۔ سینے پر اس لئے نہ لئے کہ اگر تیروں کو اپنے سینے پر سامنے سے روکیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوتی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ جہاں آرا نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ لہٰذا جنگ کی حالت میں بھی یہ احتیاط ہے کہ پشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو، بلکہ پشت تیروں کی طرف رہے۔ اور چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔

بہر حال! صحابہ کرام جو اپنا ایک ایک لمحہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے کے لئے بے چین تھے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ میں سے کسی کو شام بھیج دیا۔ کسی کو یمن بھیج دیا کسی کو مصر بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں جاکر میرے دین کا پیغام پہنچاؤ۔ جب یہ حکم آگیا تو اب حضور کی خدمت میں رہنے کا شوق قربان کر دیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا۔ اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگئے۔

ہمارے حضرت والا ایک عجیب بات بیان فرمایا کرتے تھے، یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہ دیکھو کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ وہ کام انجام دو، لہٰذا اگر

وقت کا تقاضہ والدین کی خدمت ہے، پھر جہاد بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے تبلیغ بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، پھر نماز با جماعت بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، چاہے ان سب عبادات کے اپنے فضائل کتنے زیادہ ہوں اس لئے ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت

والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے، چنانچہ قرآن کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائیں، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ:

وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْنِ حُسْناً

(العنکبوت: ۸)

یعنی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت کی کہ والدین کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو اور ایک دوسری آیات میں ارشاد فرمایا کہ:

وَقَضٰی رَبک اَنْ لَا تَعْبُدُوا اِلا اِيَّاه وَبِالوَالِدَينِ اِحْسَاناً

(الاسراء: ۲۳)

یعنی ایک یہ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، دیکھئے اس آیت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو توحید کے ساتھ ملا کر ذکر کیا، کہ اللہ کے ساتھ توحید، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک گویا کہ توحید کے بعد انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

جب والدین بوڑھے ہو جائیں تو پھر

پھر اس کے آگے کیا خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا

(الاسراء: ۲۳)

یعنی اگر تمہاری زندگی میں تمہارے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ تو پھر ان والدین کو کبھی "اف" بھی مت کہنا۔ اور بڑھاپے کا ذکر اس لئے کیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو بڑھاپے کے اثر سے بعض اوقات ذہن نارمل نہیں رہتا۔ اور اس کی وجہ سے بعض اوقات غلط سلط باتوں پر اصرار بھی کرتے ہیں، اس لئے خاص طور پر بڑھاپے کا ذکر کیا کہ چاہے ماں باپ وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو تمہارے خیال میں غلط اور ناحق ہی کیوں نہ ہوں، لیکن تمہارا کام یہ ہے کہ "اف" بھی مت کہو، اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا، اور ان سے ہمیشہ عزت کے ساتھ

بات کرنا، اور آگے فرمایا کہ۔

وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيۡرًا ○

(الاسراء: ۲۴)

اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کر کے رکھنا، اور یہ دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! ان کے اوپر رحمت فرمایئے۔ جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔ بڑھاپے کے اندر اگر ماں باپ کے مزاج میں ذرا سا چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تو اس سے گھبرا کر "اف" مت کہو، اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

سبق آموز واقعہ

میں نے ایک کتاب میں ایک قصہ پڑھا تھا۔ معلوم نہیں کہ سچا ہے یا جھوٹا، لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب بوڑھے ہو گئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا۔ ایک دن گھر کے صحن میں باپ بیٹے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوا گھر کے دیوار پر آکر بیٹھ گیا تو باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان! یہ کوا ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: ابا جان! یہ کوا ہے، پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ بیٹے! یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا تھا کہ یہ کوا

ہے، تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا: یہ کیا ہے؟ اب بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آگئی اور اس نے جھڑک کہا کہ ابا جان! کوا ہے کوا، پھر تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا ہے۔ اب بیٹے سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا کہ آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے؟ آپ کے سمجھ میں نہیں آتی ـــ بہر حال، اس طرح بیٹے نے باپ کو ڈانٹنا شروع کر دیا ـــ تھوڑی دیر کے بعد باپ اپنے کمرے میں اٹھ کر گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال لایا، اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ ذرا پڑھنا، کیا لکھا ہے؟ چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آج میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک کوا آگیا، تو بیٹے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے؟ تو میں ۲۵ مرتبہ اس کو جواب دیا کہ بیٹا، یہ کوا ہے، اور اس ادا پر بڑا پیار آیا ـــ اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا! بیٹا! دیکھو! باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے، جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا۔ اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے نہ صرف جواب دیا بلکہ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے اس کی ادا پر بڑا پیار آیا، آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آگیا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

بہر حال! اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھو! کہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑا پن بھی پیدا ہو جائے گا۔ ان کی بہت سی باتیں ناگوار بھی معلوم ہوں گی۔ لیکن اس وقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بچپن میں اس سے کہیں زیادہ ناگوار باتیں تمہارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں۔ لہٰذا تمہیں بھی ان کی ناگوار باتوں کو برداشت کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو ان کے کے بارے میں بھی قرآن کریم نے فرمایا:

وَاِنْ جَاھَدَاکَ عَلٰی تشرک بی مَالَیْسَ لک بِہٖ عِلْمٌ
فَلَا تُطِعْ ھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنیا مَعْرُوْفاً۔

(لقمان :۱۵)

یعنی اگر تمہارے والدین کافر مشرک ہوں، تو پھر شرک میں تو ان کی اطاعت مت کرنا لیکن عام زندگی کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک پھر بھی ضروری ہے، اس لئے کہ اگرچہ وہ کافر ہے، لیکن تمہارا باپ ہے، تو والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید فرمائی ہے، آج کی دنیا ہر معاملے میں الٹی جارہی ہے، اب تو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ والدین کی اطاعت، ان کا احترام ان کی عظمت کا نقش اولاد کے دلوں سے مٹایا جائے۔ اور باقاعدہ اس کی تربیت ہو رہی ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ ماں باپ بھی انسان ہیں، اور ہم بھی انسان ہیں، ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے، ان کا ہم پر کیا حق ہے؟

جب انسان سے دین سے دور ہو جاتا ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے، اور آخرت کی فکر ختم ہو جاتی ہے اس وقت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

والدین کی نافرمانی کا وبال

بہر حال! یہ عرض کرنا تھا کہ والدین کی اطاعت واجب ہے اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض ہو جاتا ہے، اور بالکل ایسا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ ماں باپ جس کام کا حکم دے رہے ہیں، وہ شرعاً جائز ہو۔ اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو یہ ایسا گناہ ہے، جیسا نماز چھوڑنا دینا گناہ ہے، اسی کو "عقوق الوالدین" کہا جاتا ہے، یعنی والدین کی نافرمانی، اور بزرگوں نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

عبرت ناک واقعہ

ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی موت کا وقت آگیا، اور نزع کا وقت ہے، سب لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے۔ مگر زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا، چنانچہ لوگ ایک بزرگ کو

لائے، اور ان سے پوچھا کہ اس کا کیا حل نکالا جائے اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر اس کی والدہ یا والد حیات ہوں تو ان سے اس کے لئے معافی مانگو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے والدین کی نافرمانی کی ہے، اس کے نتیجے میں اس پر یہ وبال آیا ہے، اور جب تک ان کی طرف سے معافی نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوگا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا، اور ان کا دل دکھانا کتنی خطرناک اور وبال کی چیز ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر قدم پر اپنی تعلیمات میں والدین کا احترام، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا لحاظ رکھا۔ جو صحابی آپ سے مشورہ کرنے آتے تو آپ ان کو حسن سلوک کا مشورہ دیتے۔

علم کے لئے والدین کی اجازت

ہمارے ہاں دارالعلوم میں بعض مرتبہ بعض طالب علم داخلے کے لئے آتے ہیں، ان کو پڑھنے کا شوق ہے۔ عالم بننے اور درس نظامی پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے کا شوق ہے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ والدین کی اجازت سے آئے ہو؟ تو معلوم ہوتا کہ والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں، اور وہ یہ کہتے کہ ہم کیا کریں والدین ہمیں اجازت نہیں دے رہے تھے، اس لئے ہم بغیر اجازت کے چلے آئے ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ یاد رکھیں، مولوی بننا کوئی فرض نہیں والدین کی اطاعت کرنا

فرض ہے ہاں! اگر والدین اتنا علم بھی حاصل کرنے سے روک دیں جس سے انسان ایک مسلمان جیسی زندگی گزار سکے، مثلاً نماز کا طریقہ سیکھنے سے روکیں، تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں، لیکن مولوی بننا (پورے دین کا علم حاصل کرنا) فرض و واجب نہیں، لہٰذا جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک وہ نہ کرے، اور اگر اجازت کے بغیر مولوی بننے میں لگے گا تو وہی بات ہوگی جو ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔ یہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ

یاد رکھو! جب تک والدین حیات ہیں تو وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی اور نہیں جیسا کہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ماں باپ کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھ لو تو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ہے، اسی لئے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر وہ ان کی خدمت کر کے اپنے گناہ معاف نہ کرالے۔ اس لئے کہ اگر ماں باپ بوڑھے ہیں تو جنت حاصل کرنا اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، بس ذرا سی ان کی خدمت کر لو گے تو ان کے دل سے دعا نکل جائے گی۔ اور تمہاری آخرت سنور جائے گی۔ بہانے بہانے سے تم جنت کما

سکتے ہو، بہر حال! والدین جب تک حیات ہوں ان کو نعمت سمجھ کر ان کی قدر کریں، اس لئے کہ جب والدین اٹھ جاتے ہیں تو اس وقت حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے زندگی کے اندر ان کی کوئی قدر نہ کی، ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے جنت نہ کمالی، بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت

اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے کتنی بڑی نعمت کھو دی اور ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا، اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ رکھا ہے، فرمایا کہ اگر کسی نے والدین کے حقوق میں کوتاہی کی ہو، اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، تو اس کی تلافی کے دو راستے ہیں، ایک ان کے لئے ایصال ثواب کی کثرت کرنا۔ جتنا ہو سکے ان کو ثواب پہنچائیں۔ صدقہ دیکر ہو، یا نوافل پڑھکر ہو، یا قرآن کی تلاوت کے ذریعہ ہو، اس کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ والدین کے جو اعزہ اقرباء دوست احباب ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا باپ کے ساتھ کرنا چاہئے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی تلافی فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماں کے تین حق باپ کا ایک حق

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: یا رسول الله: من احق الناس بحسن صحبتی؟ قال: امک، قال: ثم من؟ قال: امک، قال: ثم من؟ قال امک، قال: ثم من؟ قال ابوک"

(جامع الاصول، جلد ایک، ص۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ کس کے ساتھ میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں یعنی سارے انسانوں میں سب سے زیادہ تمہارے حسن سلوک کی مستحق تمہاری ماں ہے، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے دوبارہ جواب دیا: تمہاری ماں، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے پھر جواب دیا: تمہاری ماں ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ تو چوتھے نمبر پر فرمایا: تمہارا باپ۔۔۔

تین مرتبہ ماں کا نام لیا، آخر میں چوتھے نمبر پر باپ کا نام لیا، اس واسطے علماء کرام نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں کا

حق حسن صحبت میں باپ سے بھی زیادہ ہے ماں کے تین حق ہیں، اور باپ کا ایک حق ہے، اس لئے کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں جتنی مشقتیں جھیلتی ہے، باپ اس کا چوتھائی بھی نہیں جھیلتا، اس لئے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے ماں کے بیان فرمائے۔ اور ایک حصہ باپ کا بیان فرمایا۔

باپ کی تعظیم، ماں کی خدمت

اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہئے، بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علیحدہ ہیں، ایک ہے "تعظیم" اس میں تو باپ کا حق ماں پر مقدم ہے، اور دوسری چیز ہے "حسن سلوک" اور "خدمت" اس میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے۔ "تعظیم" کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اسکی عظمت زیادہ ہو، اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اس کے سرہانے نہ بیٹھے یا جو تعظیم کے آداب ہیں، اس میں باپ کا حق مقدم ہے، لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے، اس میں ماں کا حق مقدم ہے، اور باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ماں کے اندر یہ بات رکھی ہے کہ ماں کے ساتھ اولاد کی بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے، بہت سی باتیں بیٹا کھل کر باپ سے نہیں کہہ سکتا، لیکن ماں کے سامنے وہ کہہ دیتا ہے تو شریعت نے

اس کا بھی لحاظ رکھا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بزرگوں کا بیان کیا ہوا یہ اصول لکھا ہے کہ اولاد باپ کی تعظیم زیادہ کرے، اور ماں کی خدمت زیادہ کرے، اس اصول کے ذریعہ احادیث کے درمیان بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔

ماں کی خدمت کا نتیجہ

بہرحال! ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے جیسا کہ آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں دیکھا، اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی حال ذکر کیا گیا ہے، مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے، کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکے، لیکن بعد میں جب انکی خدمت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا، لہٰذا اس خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

"وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما قال: اقبل رجل الی نبی الله صلی الله علیه وسلم، فقال: ابایعک علی الهجرة والجهاد ابتغی الاجر من الله تعالیٰ، قال: هل من والدیک احد حی؟ قال: نعم، بل کلا هما، قال: فتبتغی

الاجر من الله تعالیٰ؟ قال: نعم، قال: فارجع الیٰ والدیک فاحسن صحبتھما"

(مسند احمد: ج ۵ ص ۲۱۸)

واپس جاکر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، میں آپ کے پاس دو چیزوں پر بیعت کرنے آیا ہوں، ایک ہجرت پر اور ایک جہاد پر، یعنی میں اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنے کے لئے ہجرت کے ارادے سے آیا ہوں، اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی نیت سے آیا ہوں، اور میں اپنے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں بلکہ والد اور والدہ دونوں زندہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم واقعی اجر و ثواب چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! یارسول اللہ، آپ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے تم اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

جاکر ماں باپ کو ہنساؤ

دیکھئے! اس حدیث میں اپنے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت کو والدین کے ساتھ حسن سلوک پر قربان فرما دیا، اور ان کو واپس فرما دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کی تیاری ہو رہی تھی، ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں جہاد میں شریک ہونے کے لئے آیا ہوں، اور فخر کے طور پر بیان کیا کہ میں جہاد میں شرکت کرنے کا اتنا سچا طالب ہوں کہ جہاد میں شرکت کے لئے اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، مطلب یہ تھا کہ میرے والدین مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے، اور مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دے رہے تھے، لیکن اس کے باوجود میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ میری جدائی کی وجہ سے رو رہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

ارجع فاضحکهما کما ابکیتهما

(مسند احمد: ج ۲ ص ۲۰۴)

واپس جاؤ، اور ان کو جس طرح روتا چھوڑا تھا، اب جاکر ان کو ہنساؤ اور ان کو راضی کرو، تمہیں میرے ساتھ جہاد پر جانے کی اجازت نہیں۔

دین "حفظ حدود" کا نام ہے

یہ ہے حفظ حدود، اسی لئے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین نام ہے "حفظ حدود" کا یہ کوئی دین نہیں کہ جب جہاد کی فضیلت سن لی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی رعایت کرتے ہوئے ہر موقع پر کام کرنا ہوتا ہے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگ یک باگے ہوگئے ہیں، جیسے اگر گھوڑے کی ایک باگ ہو تو وہ صرف ایک ہی طرف چلے گا۔ دوسری طرف دھیان بھی نہیں دے گا، اسی طرح لوگ بھی یک باگ ہو گئے، یعنی جب یہ سن لیا کہ فلاں کام بڑی فضیلت والا ہے بس اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے ذمے اور کیا حقوق واجب ہیں، اور دوسرے کاموں کی کیا حد ہے؟

اہل اللہ کی صحبت

اور یہ "حفظ حدود" کی بات عادۃ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہ آئے، زبان سے میں نے بھی کہہ دیا، اور آپ نے سن بھی لیا، کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہے، لیکن کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے، اور کس موقع پر کس چیز کو ترجیح دینی ہے، یہ بات کسی کامل شیخ کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی،

اور آدمی افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہتا ہے شیخ کامل ہی بتاتا ہے کہ اس وقت کیا کام کرنا ہے، وہ بتاتا ہے کہ اس وقت میرے لئے کیا چیز بہتر ہے، اور کیا چیز بہتر نہیں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے پاس اصلاح کے لئے لوگ آتے تو آپ بہت سے لوگوں کے وظیفے چھڑا دیتے، اور دوسرے کاموں پر لگا دیتے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ اس کام پر لگا رہے گا تو حدود کی حفاظت نہیں کرے گا۔

شریعت، سنت، طریقت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "حقوق" تمام تر شریعت ہے، یعنی شریعت حقوق کا نام ہے، اللہ کے حقوق، اور بندوں کے حقوق اور "حدود" تمام تر سنت ہے یعنی سنت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کس حق کی کیا حد ہے، حق اللہ کی حد کہاں تک ہے، اور حق العبد کی حد کہاں تک ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں یہ بتاتی ہیں کہ کس حق پر کس حد تک عمل کیا جائے گا۔ اور "حفظ حدود" تمام تر طریقت ہے، یعنی طریقت جس کو تصوف اور سلوک کہا جاتا ہے۔ ان حدود کی حفاظت کا نام ہے، یعنی وہ حدود جو سنت سے ثابت ہیں، ان کی حفاظت تصوف اور سلوک کے ذریعہ ہوتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ "شریعت" تمام تر حقوق، سنت تمام تر حدود اور

طریقت تمام تر حفظ حدود، بس! اگر یہ تین چیزیں حاصل ہو جائیں تو پھر کسی چیز کی حاجت نہیں، لیکن عادۃ یہ چیزیں اس وقت حاصل نہیں ہوتیں، جب تک انسان کسی اللہ والے کے سامنے رگڑے نہ کھائے، اور کسی شیخ کامل کے حضور اپنے آپ کو پامال نہ کرے۔

قال رابگزار صاحب حال شو
پیش مردے کامل پامال شو

جب تک آدمی کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال نہیں کریگا۔ اس وقت تک یہ بات حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہے گا کبھی ادھر جھک گیا، کبھی ادھر جھک گیا۔ سارے تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو افراط و تفریط سے بچائے اور اس کو اعتدال پر لائے، اور اس کو یہ بتائے کہ کس وقت دین کا کیا تقاضہ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔